گھر میں تھا کیا، جو ترا غم اُسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر، سو ہے

یہاں دھرا کیا ہے جو کوئی لُوٹے گا۔ وہ خبر محض غلط ہے اگر کچھ ہے تو یہ دیں نمط ہے کہ چند روز چند گوروں نے اہلِ بازار کو ستایا تھا۔ اہلِ قلم اور اہلِ فوج نے بہ اتفاق رائے ہم دگر ایسا بندوبست کیا کہ وہ فساد مٹ گیا۔ اب امن و امان ہے۔

ناسخ مرحوم جو تمہارے اُستاد تھے، میرے بھی دوست صادق الوداد تھے، مگر یک فنے تھے۔ صرف غزل کہتے تھے۔ قصیدے اور مثنوی سے اُن کو کچھ علاقہ نہ تھا۔ سُبحانَ اللہ تم نے قصیدے میں وہ رنگ دکھایا کہ انشا کو رشک آیا۔ مثنوی کے اشعار جو میں نے دیکھے، کیا کہوں کیا حظ اٹھایا۔

بیت:

خدا سے میں بھی چاہوں از رہِ مہر
"فروغِ میرزا حاتم علی مہر"

اگر اسی انداز پر انجام پائے گی تو یہ مثنوی کارنامۂ اُردو کہلائے گی۔ خدا تم کو جیتا رکھے۔ تمہارا دم غنیمت ہے۔ صاحب! میں تم سے پوچھتا ہوں کہ "معیار الشعرا" میں تم نے اپنا خط کیوں چھپوایا؟ تمہارے ہاتھ کیا آیا؟ سنو تو سہی اگر سب کا کلام اچھا ہو تو امتیاز کیا رہے؟

۶ اپریل ۱۸۵۹ء

(۱۷)

مرزا صاحب!

ہم کو یہ باتیں پسند نہیں۔ پینسٹھ برس کی عمر ہے۔ پچاس برس عالمِ رنگ و بو کی سیر کی ہے۔ ابتدائے شباب میں ایک مرشدِ کامل نے یہ نصیحت کی ہے کہ ہم کو زہد و ورع منظور نہیں۔ ہم مانعِ فسق و فجور نہیں۔ پیو، کھاؤ، مزے اُڑاؤ مگر یہ یاد رہے کہ مصری کی مکھی بنو۔ شہد کی مکھی نہ بنو۔ سو، میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے، کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے۔ کیسی اشک

فشانی، کہاں کی مرثیہ خوانی، آزادی کا شکر بجالاؤ۔ غم نہ کھاؤ اور اگر ایسے ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو تو "چنا جان"، نہ سہی "منا جان" سہی۔ میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہوگئی اور ایک قصر ملا اور ایک حور ملی۔ اقامت جاودانی ہے اور اسی ایک نیک بخت کے ساتھ زندگانی ہے، اس تصور سے جی گھبراتا ہے اور کلیجا منہ کو آتا ہے۔ ہے ہے وہ حور اجیرن ہو جائے گی۔ طبیعت کیوں نہ گھبرائے گی۔ وہی زمردیں کاخ اور وہی طوبیٰ کی ایک شاخ! چشمِ بد دور وہی ایک حور، بھائی ہوش میں آؤ، کہیں اور دل لگاؤ۔ بیت:

زنِ نو کن، اے دوست در ہر بہار
کہ تقویمِ پارینہ ناید بکار

مرزا مظہرؔ کے اشعار کی تضمین کا مسدس دیکھا۔ فکر سراپا پسند، ذکر بہ ہمہ جہت ناپسند، اپنے نام کا خط مع اُن اشعار کے مرزا یوسف علی خاں عزیزؔ کے حوالے کیا۔

مکرمی نواب محمد علی خاں صاحب کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہوں۔ پروردگار اُن کو سلامت رکھے۔ مولوی عبدالوہاب صاحب کو میرا سلام۔ دم دے کے مجھ سے فارسی عبارت میں خط لکھوایا۔ میں منتظر رہا کہ آپ لکھنؤ جائیں گے، وہ عبارت جناب قبلہ و کعبہ کو دکھائیں گے۔ اُن کے مزاجِ اقدس کی خیر و عافیت مجھ کو رقم فرمائیں گے۔ میں کیا جانوں کہ حضرت میرے وطن میں جلوہ افروز ہیں:

یار در خانہ و ما گردِ جہاں میگردیم

اب مجھے اُن سے یہ استدعا ہے کہ دستخطِ خاص سے مجھ کو خط لکھیں اور لکھنؤ نہ جانے کا سبب اور جناب قبلہ و کعبہ کا حال جو کچھ معلوم ہو وہ اُس خط میں درج کریں۔

جون ۱۸۶۰ء غالب

(۱۸)

جناب مرزا صاحب۔ آپ کا غم افزا نامہ پہنچا۔ میں نے پڑھا۔ یوسف علی خاں عزیزؔ کو پڑھوا دیا۔

انھوں نے جو میرے سامنے اس مرحومہ کا اور آپ کا معاملہ بیان کیا۔ یعنی اُس کی اطاعت اور تمھاری اُس سے محبت، سخت ملال ہوا اور رنج کمال ہوا۔ سنو صاحب شعرا میں فردوسی اور فقرا میں حسن بصری اور عشاق میں مجنوں، یہ تین آدمی، تین فن میں سر دفتر اور پیشوا ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہو جاوے۔ فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے۔ عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو۔ لیلیٰ اُس کے سامنے مری تھی۔ تمھاری محبوبہ تمھارے سامنے مری، بلکہ تم اُس سے بڑھ کر ہوتے کہ لیلیٰ اپنے گھر میں اور تمھاری معشوقہ تمھارے گھر میں مری۔ بھئی مغلچے بھی غضب ہوتے ہیں۔ جس پر مرتے ہیں، اُس کو مار رکھتے ہیں۔ میں بھی "مغلچہ" ہوں۔ عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے۔ خدا اُن دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی، کہ زخم مرگِ دوست کھائے ہوئے ہیں، مغفرت کرے۔ چالیس بیالیس برس کا یہ واقعہ ہے۔ باآں کہ یہ کوچہ چھٹ گیا۔ اس فن سے میں بیگانۂ محض ہو گیا۔ لیکن اب بھی کبھی کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔ اُس کا مرنا زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ جانتا ہوں کہ تمھارے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ صبر کرو اور اب ہنگامۂ عشقِ مجازی چھوڑ دو۔ بیت:

سعدی اگر عاشقی کنی و جوانی
عشقِ محمدؐ بس است و آلِ محمدؐ

اللہ بس، ماسوئ ہوس

جون ۱۸۶۰ء غالب

(۱۹)

صاحب میرے!

عہدۂ وکالت مبارک ہو۔ موکلوں سے کام لیا کیجے، پریوں کو تسخیر کیا کیجے۔ مثنوی پہنچی۔ جھوٹ بولنا میرا شعار نہیں، کیا خوب بول چال ہے۔ انداز اچھا، بیان اچھا، روزمرہ صاف، حبشنوں کا استغاثہ کیا کہوں کیا مزا دے رہا ہے: